

نہ دِل کو راہ پر لائے

کنیز نبوی

عکسِ اولاد

اس نے دھندلائی نظروں سے دور ہوتی عنیدہ
عارف کو دیکھا جو اسے ناکروہ گناہ کی سزا سنائی تھی۔
سیف مصطفیٰ نے آنکھیں موند کر نمی کو اندر
دھکیلا اور لب بھجج کر بائبل سے باہر نکل آیا۔
واپسی کا سفر ہمیشہ تھکا دینے والا ہوتا تھا مگر اک

اس نے تو اب تنہا کی زندگی میں محبت کو ہمیشہ
مہمان بنی دیکھا تھا مگر اس لمحے جب زندگی کی بساط پر
محبت کے مسوں نے جھرجھرائی اور وہ چھوڑے کی چال
چلی تو اسے پہلی بار چکا چلا کہ محبت ظالم بھی ہو سکتی
ہے۔

ناولٹ



مرثیہ کی بھی ہوتی ہو اس کے رنگ و پے میں دوڑتی
وہائی مگر تیرا ہی کا غرض حال کو دیکھنے والا تھا کہ ہجر
خارجی نہیں پیش ان کے سچا ایراڈانے کی تیاری
پکڑے ہوئے قتلہ
سب مصطفیٰ نے پیش کی طرح گاڑی میں بیٹھے
سے ملے مرثیہ کا رو پر دیکھا بھلا اس کا ہوا پانی بدھرب
اودائی مسکراہٹ کے گوشہ موجود ہوتا۔ مگر ان جہ تو بستا
ہوا ہاتھ تھا۔ آنکھوں میں لمن کی آہیں لے مسکراتے
ہوئے ہنستہ وہ خوب صورت وجود کسی بھی نہیں
قلم اسے نہایت پرورہ تھا ہوا نظر آیا اور آئینہ دھندلا سا
سایہ
تو نہیں پرورہ ہوا سے بھی مل سکتا ہے اور سایہ حیرا
وہ جو مسکراتے اس نے گاڑی اشارت کی۔ اس کی
آنکھوں میں چٹکی نمی لب گالوں پر حیرتی تھی۔

اور جب اس نے بیٹھ کی طرح مڑ کر دیکھا تو اس
 سے عقیدہ و غارت گاہوں چاہا۔ وہ سامنے آ کر اسے پکار کر
 رُک جانے کو کہے اور ڈارنگ مدام میں اس کے
 سامنے بیٹھ کر خود سے کیا ہو اقرار دہرا دے۔
 "سیفِ حقیقی لانا کہ تم اس معاشرے کے مروجہ
 عمر میں عورت کی انفرادی و فکری وارث تمہارے بغیر نہیں
 رہ سکتی کہ عورت کی یہی کنوری ہے۔ وہ چاہتی نہیں
 پڑھتی ہے اس کا محبوب عالمِ مروجہ ہو کر بھی اس کے
 لیے ہوتا کا درجہ رکھتا ہے اور یہی لغزش خیال اس کو
 کہیں کا نہیں پھر رہی۔"

مگر اس سے پہلے کہ وہ سیف مصطفیٰ کو ہلاتی اس کی
ظہور سائے کی میں پڑی اور اس کی آنکھوں کے سامنے
دھند چھا گئی۔ نیکل پر پڑے پھول جو مزہ چھاپکے تھے
سائے کے دور کی طرح آئسو اس کے رخساروں پر
جیسے تو بکھرے خطوط کھلی ہوئی دائری کے پیر پڑائے
ورق سارے دھندواں ہوئے۔
”سیف مصطفیٰ کو بھول گئی۔ اپنی محبت کی تپسیا کو

سوال تہی۔ بھول گئی یہ بات بھی کہ وہ محبت کی پہچان
تھی۔ اس کی انگوٹھوں کے سامنے سلامہ چھبیں کی اور
کلی آنکھیں پچھنے ہوئے ہونٹ اور ابھرا ہوا پیشہ
شفیع چادر میں بھی لٹکیا تھا۔

اس کی سسکیاں آہستہ آہستہ بلند ہوتی گئیں۔
 "نہیں! نہیں! سیف! مطلقاً نہیں! تم ہر اچھا شخص اور
 نیک آدمی ہو! اس معاشرے کے مراد و مقصد کے اندر کا
 مجھے کیا پتا۔ مجھ سے کہتے آئے تھو کہ اچھے آدمی
 ہوتی اچھے آدمی لڑکیاں! کیا جانیں! شکار یوں کی نیت کا تو ہر
 آدمی یہ ہے! علیٰ یہی تو ہمیں کیا جانی ہے! اس سے
 احتراز سے سرکے پر بھاگنا اس کی آنکھوں میں مٹی کا
 ایک ایک ٹکس روشن تھا۔

وہاں بڑا خوشنوار تھا جب وہ اہل جان اور پیا جانی کی توجہ اہل پر اہل ایم سی باہم ٹکڑوں میں بوجھنے کے آئی تھی۔ حیدر آباد سے واپس گاؤں پہنچی تو اہل اس خبر سے ہی فاصلہ لگا گئیں کہ اس کی بیٹی کو صیغہ کل میں داخل مل گیا ہے۔ وہ اسے خوشی سے چومتی اور بات بے بات مسکراتیں تو یہیں عارف اظہار دیکھنے سے مسکرا دیتے تب علی عارف کو انہوں ہاتھ گھروں کا باپ کو شرارت سے دیکھتی اس سے پہلے کہ وہ پیشہ کی طرح کہتی۔

"یا جان مکمل کر شیے" رئیس عارف تھیں۔
 جس پر بڑے جیسے شہزاد کرتے پکڑے گئے ہوں۔
 اور اس نے ہیٹ کی طرح جھٹے ہوئے پائے گئے
 میں یا نہیں ڈال دیں۔

”ایسا! آپ ایسا کی باتوں پر یوں چلے چلے مسکراتے ہیں بہت اچھی لگتی ہیں نا ایسا آپ کو؟“

”ظاہر ہے عمر گزاری ہے اس کے ساتھ۔“

عارف نظامانی کے لبوں پر مسکراہٹ اور گہری دوجالی۔

”بہت چاہا ہے نا آپ نے ایسا کہہ نا ایسا“

”نئے شرارت سے آنکھیں پھیلائیں۔“

ایڈیٹری ڈیپارٹمنٹ کی ہے پر پوچھیں تو چوہدری رحمتی
اسے اصل ڈسٹریکٹ جرنل کہیں گے۔ (اس کی بڑی ہو گئی ہے)
پاپ کے ساتھ چٹنی روتی ہے۔ اصل گائے کی گائے
مانشہ چٹنی کی باتوں پر جڑ ہو کر بیٹھیں۔

”یاد رکھیں، انہیں میں نے کیا کہندی تھی اے۔“
اس نے مہر سوکر کہا تو میں نے جس گڑبڑ سے اپنے
معاذ اللہ۔

آپ کی یہ جانب داری مجھے ایک آنکھ نہیں
مٹاتی۔ تمنا کرتے ہو تو کہہ سکتے ہو۔

ہمساریاں سے اختلاف نہیں کر سکتا۔ " پیارے
بائیں ہاتھ کی شہادت کی انٹلی اپنے دل پر رکھی۔

”ایسا! اہں آپ کی پتی؟ اور تمہیں اور آپ کے بیٹے کو
رہتی تھیں دادا نے تم پرورش کی پھر آپ دونوں کے
چچا کو کوئی مقام سماج نہیں تھا؟“ اس نے چپکے سے باپ
کے بطن میں کہا تو وہ مس عارفہ ہنس کر دھیرے سے

”ہی میں! انہیں بے اور قلمی تھا۔“

”سوئی یہ کیا کھسر پسر کر رہی تھی ہے یہو جے کن
 ج۔“ (سوئی یہ کیا کھسر پسر کر رہی ہو پاپ کے گن
 ل۔) ماں نے کہا تو اس کے بھائی نے بھی چھیڑا۔

ہاں مولیٰ کیا کہندی غی؟ اے سہل۔"

”کیونکہ فیروز خان امیدی دھنی کوتم کھنہ نہ کہہ سکتا تھا اور ان اپنی ہند کرپھوڑ سہاں۔“ اور میں عارف نے
تھے جو نے بیٹے کو دھوکا دیا۔

”بابا! یوں تو نہ کہہ ایساں دے سامحوں۔ اے پہلے
 سحر چڑھ گئی ہے۔“ (بابا یوں تو نہ کہیں اس کے
 لئے۔ تو پہلے ہی سحر چڑھ گئی ہے)۔

”میڈی خواہش تو یہی ہے پوری کیسے اسے تافیر نہ کرنا۔“
 ”میڈا بٹ بھی ایڈی نہیں جاسا جالدا اے اے۔“
 ”کل منطہ حاکم اے۔“ (میرا بیٹا جی اتنی زمینیں سبھا کرنا
 ہے یہ کوئی چھوٹا کام ہے) اس کی ماں نے جلدی سے
 کہی۔

"وہ کیس بلیا! میں کو تو ہر صورت بھائی ہی سمجھا لیتا

”جس نے ظلمت کی تہ کو چھو کر دیکھا ہے۔“
”ظلمت کی بات کے بعد اگلے روز میں
”سکھانا۔ میری بیٹی چوری سے آیا۔“

”ہاں، آپ نے جس پر کھٹکھٹا کر رکھی۔“

میں نے ایک دن واقعہ مل :- "میری بہن ابھی خیرین کر رہی تھی۔"

”ماویٰ ایجنسی“ کے متعلق مباحثوں۔ ”وفاقی کراس“ کے متعلق نہیں۔

”اوی تاہیہ جیسی کرے میں۔“ رحیل عارف نے اٹھ کر اس کے مہرہ ہاتھ رکھا۔

”اوا بھلائی مگر رنج میں بھی مٹھائی کھا کر پاؤں
گی۔“

بابا اوی: انہوں نے میں۔ اچھے بولے۔ مٹھائیاں۔ میں ابھی
فیروز کو ملے گی۔ بھتیجا بولے۔ مٹھائیاں۔ کتنے بھر آئے۔

ہاں صرف مشائی نہیں روٹی کھا کر جاتا، مگر اسی کی پسند کی چیزیں فیروز کھاتا وہ لے آئے۔

”مالی عاتقہ ادر کچھ کن تو او اعارف برادر خوش ہے۔“

”اوی! تو میرے بچے ہیں ان کی خوشیوں میں
خوش نہیں ہوں گا تو پھر کون کی خوشیوں میں خوش ہوں

”ہاں! تو ہی تو میرے بھائی ہو“ پھر تمہاری اولاد میں

بھی دو اور وہ جو کیا تو پھر لوٹ کر نہ آیا اس کا بھی ایک
وانہ ہے۔ اللہ اسے لمبی عمر دے۔ ایما کے تو دو ہی بچے

ہوئے تباہ۔ ”تاہم یہ بڑے گہری سانس لے۔
اس نے دیکھا۔ بابا ایک دم چپ سے ہو گئے اور

اور نہ کے ہو اسے ایک راسخ و ماضی میں

اور آپ نے جو اسے آپ کی اہمیت کا اس میں
 پھونسنے آپ کا اس نے نیت کر کے پوچھ لیا۔
 "بلکہ اس شہر میں جانا بھی تو رہتے ہیں۔ آپ اگر

”سب سے پہلے سے ملے نہیں گئے تو مجھے وہاں بھی
جھوٹے کہتے تھے۔“

وقت، اور کئی قصیدے۔

پارہ صفت اور یہ مستحق قرار دو طبعاً جس کلمہ کے
ملنے والی یہ مجیدہ مزاج تھا کہ وہ اپنے والد اس فرق کے
پہلو دو نوں میں دوٹی ہو گئی۔ صائمہ الشرا سے
تپیشی۔

”شنا ہے نظمانوں میں وفا کم کھپائی جاتی ہے۔“
 ”ظاہرِ شنا ہے تم نے۔ آنا کر تو دیکھو۔“ وہ فوراً
 ترویج کرتی۔

”یعنی آواز کے لیے مجھے کسی نظامی سے مل گیا
 ہے۔“ وہ صوفے سے اُٹھ کر شرارتاً

”کسی اور سے نہیں بچھوے۔“ وہ فیس کر اس کے
ہینڈ بگ آگئی۔
”کیا خاک مڑا آئے گا۔“ وہ اراہو آگئی۔

پھر اچانک صائمہ جیہیں اپنی شامیں یا ہرگز مارنے
رہی۔ شروع شروع میں تو اس نے قہر سے

شوقین تھی۔ مگر جب وہ کلن سے آرٹھم کو تسکین
 باہر جانے لگی تو اس کا ہاتھ ٹھیکہ چک گیا۔

معلومات میں مداخلت کرنا اس کی عادت نہیں تھی اس لیے کبھی اس نے سائنس سے پوچھا نہیں تھا اس نے دیکھا تھا کہ سائنس کا بدلہ آج کل سے لے کر

نہیں رو مٹی تھی۔ وہ اکثر کتاب کھولے سوچ میں ہوتی۔

یہ پڑھائی اور دیکھی ہے اور اس کی ساری باتیں
 بوجھ کر ڈرنے کی ایک سنگ کرتے ہوئے اس طرح جانچے
 کہ اس کے سامنے کھلی ہوئی کتاب زمین پر جا کر آ

اور وہ اس کی انجواب ایٹھتھ پر ہنس پڑی۔
 ”میں سوچ رہی تھی کہ اندر سے انسان
 بد صورت ہے۔ نیلا، پیلا، لال، مہر رنگ، دیشے

ہڈیاں گوشت۔ لونہوں سوچوں تو مٹی ہوتے
ہے۔ "وہ ہڈی معصومیت سے منہ بنا کر کہتی تو وہ
مادر فتنہ بناتی۔"

”کافکار ہو تم بولے کتنی عجیب اللہ مائیں

چونکہ کی جانب ان کا شوق قہری ضرورت بن گئی تھی
وہ ان کا حصہ انہیں مل گیا تو پھر ضرورت مند ہی تھی
لیکن وہ جانب کرتے رہے البتہ ان کا جہار و بھروسہ

خان محمد علی چانیداو کے سارے معاملات وہ سنبھال لیا۔ انہیں تو کھرچنے پر قلم چل جاتی تھی۔ سیف کے بعد ان کے آگن میں کوئی اور پھول نہیں کھلا۔ سو ان کی

وہ ہریات سے واقف رہنے کی کوشش کرتے جب
اپنے شوق سے میٹیکل میں کیا تو زیادہ مصروف ہو

”بیبا! دوستوں کے ساتھ اسٹری کرنے جانا
 کرتے تو وہیں کر لیتا۔“

مریم بگزتمیں "نہ ان لڑکا ہے" چھوڑیں۔ کیوں اتنی
بہرہ چمکھ کرتے ہیں۔ اس دور میں تو اتنا بڑھ چکا ہے کہ

کے لیے نہیں کرتے، آپ بیٹے کا ناک میں دم کر رہے ہیں۔"

نے کی: جب لڑکوں کی ہر خواہش پوری ہو رہی ہو تو کچھ ایسی خواہشیں مل لیتے ہیں جو جان کا روگ بن

وہ اچانک چونک کر ماضی کی غلیوں سے باہر آگئے
 ف نے کچھ کہا تھا۔ انھوں نے قریب ہو کر سننے کی

"تم۔۔ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتیں۔"

نہ رہا تھا وہ اسے سمجھنے کی کوشش کرنے لگے۔ ”کیا
 آپ کسی کو پسند کرنے لگا تھا۔ مگر مجھے اس بات کا علم

• • •

۱۔ چاند دلوں میں بھی صاف نہیں ہے اس کی

اور وہ جتنے دن ریڑیوں۔ سامں بسو کی ٹوب کی۔ مہم
ہاتے شوق سے ان سے گفتگوں کی باتیں پوچھتی۔
مور پھر وہ کہیں تو ایسی کہ واپس لوٹ کر نہیں
آئیں۔ انہوں نے کئی بار ڈرائیو کو ایسا حکم دیا
کہ میں تمہیں کی کی دن۔ "مگر اور دن۔"

پہلے نہیں اور انہیں بتایا بھی نہیں کیا۔ گاؤں کا نام
مست سب سے پہلے کر انہیں بتا گیا۔ وہ روتے
رہے گاؤں پہنچے تو رات نہ اچھڑتا تھا۔ وہ گاؤں پہنچے

وہ کے قبضہ میں آئے تو وہاں اعلیٰ جہازوں پر تھی۔ انھوں نے انھوں سے تھیں کہ پھرتے ہوئے وہاں میں حرکت کی ہو رہی ہے۔ وہ نے انتہائی سرعت کے ساتھ

تو ان کے دن بھی علی نے مجھے نہیں پایا۔
میں ابھی اس گاؤں میں آؤں کر تو میرا گھر

نہ ہے بلکہ آپ نے مجھ سے تعلق تو قائم کر لیا۔
 "ہر تعلق تو کر رہا ہوں۔"

میں نے چاہا کہ میں نے اپنے لیے ایک نیا راستہ بنایا۔

چلا کہ ان کے باپ نے ان کی ماں کو چھیڑنے کے
بجائے ان سے کہا تھا کہ "تو غلامِ مصطفیٰ سے ملنا یہ جو امیر

اور وہ ایسی جھلی مانس کہ اس ایک بات کو لے کر بیچ

اور جب چند سال بعد جب وہ بیمار ہو کر اسپتال میں
لے گئے تو وہ انہیں دیکھنے جاتے اور روزانہ گھر سے

میں دیتے ہوئے آپریٹر ہو جاتے مگر جب اسپتال میں ہی ان کا انتقال ہو گیا تو وہیں سے چلے گئے۔

نے بھی ماں باپ کے بعد چٹاؤں میں اب ان کا رکھائی
تھا۔ سوائے ایک بھائی کے جس کی وجہ سے وہ

ان کی ساری خوشیاں اب مریم اور یوسف کے لیے

وہاں پہلے سے ہی ایک بڑی سیڑھی تھی جس سے وہاں کے لوگ اُترتے تھے۔

پیش روئے گوئے یادگاہ ہے جس میں اب یہ ہے کہ

اور پھر وہ ان کی باتوں سے دلچسپی نہ لے سکتا تھا۔

جیسے کہ جی ایس ایس اور ایس ایس سی کے لئے

والہی ہے۔ یہی اعلیٰ میں بھی ہے۔ یہی ہے کہ اس کی توحیدوں
کو اسے پاک اور عظیم اور بڑی ہے۔ یہی ہے کہ اس کے
سے توحیدوں کی ہے۔ یہی ہے کہ اس کے توحیدوں کی ہے۔

میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔ اب میں نے اس کو اپنے پاس لے کر آیا ہے۔

”کوئلے“
”اے آپ کے کہنے پر یہ یاد میں جاتا ہوں“ غمگین
”اے کوئلے“ میرا الگ ہی بیٹا ہے جو میرے ساتھ

وہاں سے تھکے ہوئے تھے کہ وہیں کب کا ناماؤڑپ کا باب آپ
تائیں میں کیا کرلوں۔

ملان باہم حاکم و آر کاڑی میں بیٹھ گئی۔ تھپے باب کو

میں نے صرف صاحبِ ارباب مجھے خبر سے انکس کی
 ہے تو بھی میرے غلام مصطفیٰ کا گھر ہے۔ دو وقت
 کو بی ضرور کھلانے کا وہ مجھے پس اپ نہیں رکوں

فکر ہے تو نے گاڑی بھی بیچ لی تھی۔ " وہ مسرت سے بولیں۔

ت چمے گی۔ وہاں کی باتیں وہاں کے تھے۔

بڑے عرصے کے تجلی کے بعد اس نے سامنے سے اس
 پہلے انگار بھی کیا تھا تو وہ کھٹکلا کر فیس پائی تھی۔
 "تو تم کب سے یہ مڑوں کو اپنے فیصلوں میں ضم
 اور بند پائی ہو؟" اس نے۔ "تمہارے بیوت کی طرف
 نہیں کہ اپنے کو کی طرف صرف تھل رہا کرتا ہے۔"
 اس نے "تمہارے بیوت" پر سچا کر اسے دیکھا
 اور وہ اس کی حیرت سے تھکی ہرگز کھٹکلا ہوئی۔
 "پھر بسب اس نے بیوت کو اپنے کے علاوہ کسی
 یا ہر غلطے انگار کیا تو سامنے بھجوا دیا۔
 "تمہارے بیوت"

یہاں پر سیدنا عیسیٰ (علیہ السلام) کی ایک روایت ہے کہ:

”میں نے اپنے رب سے کہا کہ مجھے عیسیٰ (علیہ السلام) کی مانند بنا دے۔“

”یہاں پر سیدنا عیسیٰ (علیہ السلام) کی ایک روایت ہے کہ:

”میں نے اپنے رب سے کہا کہ مجھے عیسیٰ (علیہ السلام) کی مانند بنا دے۔“

یہاں پر سیدنا عیسیٰ (علیہ السلام) کی ایک روایت ہے کہ:

”میں نے اپنے رب سے کہا کہ مجھے عیسیٰ (علیہ السلام) کی مانند بنا دے۔“

راہی کرول۔ جہاں اس میں یاد دہانی بھی کیا ہے۔ انگریزوں
 کی لڑائی سے ملنے جانی ہول ٹا۔ بس چند ٹکے
 کسی پارک میں یا ریلوے اسٹیشن یا اسٹوڈنٹس ہاؤس کے
 سٹینڈ کی پائینک کرتے ہیں الگ دوسرے کو چاہی
 جاتے ہیں اور وہ اسی میں وہ ٹکے مارپ کر دیتے
 ”تم میری حالت میں کچھ کر سکتے ہو“

بے بسی ہے کہا۔
 ”اچھا تو پھر سمجھو تم؟“ وہ بڑی طرے چڑھ گئی۔
 ”کوئی تم کو کیسے ہمیں کسی نے دیکھ لیا۔ میرے پاس
 نے بھائی نے یا کسی رشتے دار نے تو کیا جگہ ہنسلی
 میں ہو گی؟ ہم جب اپنے آپ بھائیوں ملا قوں سے لگا
 عا مہ حاصل کرنے نکلے تو ہم رشتہ بھائیوں

ریاں پڑ جاتی ہیں۔ ”وہ سناہیت سے ہول۔“
 ”تمہاری یہ خرابی منطقیں میری سمجھ سے واقف
 ہر ہیں۔ ہم ان سے ان ایم سی میں لے جہ
 بیرونی میں بیٹہ کر باتیں کرتے ہیں تو پھر کسی شام کو
 میں باہر ان سے ملنے میں کیا مضائقہ ہے۔“
 ”کچھ کہنا ہے۔ اور یہ وہی ہم بڑھنے کے لیے

”شہاد کا سارا درسا۔ صرف محبت ہے۔“ وہ مکتی تو
سیف مسکرا کر اسے دیکھتا۔
”جتنے تو لکھا ہے تم بھی شہاد کو کوئی سوری ہو۔“
”اچھا!“ وہ بے ساختہ ہنس دیتا۔ ”شہاد کی تو بہت
ساری صورتیں چل چیں ہیں کون سی والی ہو۔“
”تم از کم شہاد میں جس نے تو لکھے ہیں وہاں
محبوب دے دیا تھا۔“ وہ اس کی آنکھوں میں رہا غما

”مگر سیف! اتم ہر بھی تو دیکھو پھر اس نے ہنسی کو
مٹانے کو کیا کیا یقین کیے۔ مجھے بیش اس کا رقص ہنسی
حیرت میں مبتلا کر دیتا ہے۔“ اس نے خواب ناگ بے
میں کہا۔

”جب باپتے لپکتے لیاں اپنی جان محبوب کے
قہر میں تھم کر جاتی ہے اور پھر محبوب بھی اس

یہ محبت دیکھ کر اپنی جان ہار دیتا ہے۔" اس کی
 "ہاں مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ عورت زور و جواہر پر
 اپنا محبوب بھی دے سکتی ہے۔ زیورات اس کی کمزوری
 ہوتے ہیں نہ۔" سیف اسے اداسی سے ٹکائے کی خاطر
 چھیڑتا۔

سورہی ہے نا جس نے اپنی پھٹی پرانی پٹہ فڈہ چادر کو
گنوا ب زور و جاہر پر فوقیت دی اور عمر کو صاف جواب
دے دیا کہ میں تیرے غلوں کو اپنے جھوپڑے پر قربان
کر دوں گی۔"

”ماروی!“ وہ فخر سے کہتی۔
 ”کیکنا کیس مجھے چھوڑ نہ دینا۔“ وہ جان بوجھ کر
 اسے چڑا رہی تھی۔
 ”تبی نہیں۔“ ماروی نے عمر اور اس کے محلات کو
 چھوڑا تھا اسے متلیہ کہ نہیں۔ ”وہ کہہ کر چھٹائی۔“
 یہ سن کر عمر نے قہقہہ مارا۔

”تو کیا خیال ہے انکو بھی پسینے کے بارے میں۔“

میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔
 اس نے کہا: "میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔"

عزت و شہرت کے لئے کیا وہ جان کر ہوا تھا اس
 کے لئے؟ میں نے سوچا تھا۔ اس کے ساتھ ایک عورت
 تھی۔ اس نے کہا: "میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔"

کون کون نہیں ہو گا۔ میں نے بات کر لی ہے
 تمہارے پروردگار سے۔ ویسے بھی یہ وہ دن ہے تمہاری
 دل اور ہاتھوں مرے سے آ رہے ہیں۔ چلو کراچی چلو

میں نے کہا: "میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔"

اس نے کہا: "میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔"

میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔
 اس نے کہا: "میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔"

عزت و شہرت کے لئے کیا وہ جان کر ہوا تھا اس
 کے لئے؟ میں نے سوچا تھا۔ اس کے ساتھ ایک عورت
 تھی۔ اس نے کہا: "میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔"

کون کون نہیں ہو گا۔ میں نے بات کر لی ہے
 تمہارے پروردگار سے۔ ویسے بھی یہ وہ دن ہے تمہاری
 دل اور ہاتھوں مرے سے آ رہے ہیں۔ چلو کراچی چلو

میں نے کہا: "میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔"

اس نے کہا: "میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔"

میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔
 اس نے کہا: "میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔"

عزت و شہرت کے لئے کیا وہ جان کر ہوا تھا اس
 کے لئے؟ میں نے سوچا تھا۔ اس کے ساتھ ایک عورت
 تھی۔ اس نے کہا: "میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔"

کون کون نہیں ہو گا۔ میں نے بات کر لی ہے
 تمہارے پروردگار سے۔ ویسے بھی یہ وہ دن ہے تمہاری
 دل اور ہاتھوں مرے سے آ رہے ہیں۔ چلو کراچی چلو

میں نے کہا: "میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔"

اس نے کہا: "میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔"

میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔
 اس نے کہا: "میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔"

عزت و شہرت کے لئے کیا وہ جان کر ہوا تھا اس
 کے لئے؟ میں نے سوچا تھا۔ اس کے ساتھ ایک عورت
 تھی۔ اس نے کہا: "میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔"

کون کون نہیں ہو گا۔ میں نے بات کر لی ہے
 تمہارے پروردگار سے۔ ویسے بھی یہ وہ دن ہے تمہاری
 دل اور ہاتھوں مرے سے آ رہے ہیں۔ چلو کراچی چلو

میں نے کہا: "میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔"

اس نے کہا: "میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔"

میں ڈرنک روم میں جس کی کھڑکیاں جان بوجھ کر کھلی رکھی جاتی ہیں۔ وہ سچ ہوئی تو اس نے افسردگی سے اسے دیکھا۔

"دل کا کاروبار جاری ٹرگٹ لینے دینے سے انکاری۔ ہم شاپنگ کرنے گئے تو سیف بھی ساتھ ہو لیا اور کہا کہ کل عینہ کو میں اپنے پسند میں رنگا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھ سے تو غلطی ہوئی کہ انھا کر لے تکی۔ اب تم جانو اور سیف جانے۔ مجھے تو معاف ہی رکھو۔" اس نے کہتے ہوئے غصے میں کبل اوڑھ لیا۔ اور عینہ چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ کہہ سکی۔ وہ بیٹھ سے ایسی ہی تھی۔ لہجے کی تخیروں سے ڈرنے والی۔

"دوسرے دن صائمہ صبح سے ہی تیاری میں لگی ہوئی تھی۔ زرد اور سرخ رنگ کے استراج والا سوٹ جس پر موتیوں کے ساتھ نفیس کڑھائی کی ہوئی تھی۔ اس نے استری کر کے انداری میں رکھا۔

"تم آج یونیورسٹی نہیں جاؤ گی؟" اس نے ناشتہ کرتے ہوئے استفسار کیا۔

"نہیں، کون جائے آج پور ہونے۔" وہ بے وجہ ہنس۔

صبح کا اٹھا صائمہ نے۔ "خود بھی آبرور ہوئی تھی۔ سہیل سیف صائمہ اس سے روپ سے کوئی بھی نہیں کیا تھا۔ اس سے بے دلی۔ بڑی مشکل سے وقت گزارا تھا پھر شال کھانا کھایا اور سوئی۔

اس کی آنکھ کھلی تو صائمہ تیار ہو رہی تھی۔ اس نے وال گاڑ کی طرف دیکھا تو شام کے کچا بچہ رہے تھے۔ صائمہ کی تیاری آخری مراحل میں تھی۔

"چلو اٹھو تم بھی تیار ہو جاؤ۔ آخر کو تمہارا سیف بھی تم سے ملنے آئے گا۔ ویسے عینہ اتم ہو بہت مند۔ کن کے دن تو اس سے کہیں باہر مل سکتیں۔"

اس نے چو لری پہن کر بیگ اس پر باندھ لیا۔

وہ کسل مندی سے لٹی اس سے دیکھتی رہی۔ اس نے جھٹ کر سینٹرل ہسٹالپ اسٹاک اٹھا کر بس میں ڈالی۔

"عینہ! من سے ہم محبت کرتے ہیں ان پر اعتماد

نہ بنائی پڑتا ہے، ورنہ پتا ہے کیا ہوتا ہے" اس نے شرارت سے اسے دیکھا۔

اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا وہ ہنس کر اس کے بیز کی طرف آئی "محبت کمزور ہو جاتی ہے پھر! اب اٹھو بھی سیف بھی آنے ہی والا ہو گا۔"

اس نے کبل اس پر سے کھینچ کر اتارا۔

"ارے ارے اٹھتی ہوں، سرودی لگ رہی ہے۔"

وہ چیختی۔

"ایک تو تمہاری سرودی ختم ہونے میں نہیں آتی۔" اس نے پورے آکر بکے اور گٹ اٹھایا۔

اس کے جانے کے بعد بھی وہ آنکھیں موندنے سستی سے لپٹی رہی۔

"عینہ! بدنی! آپ کا کوئی مہمان کیا ہے۔" ملازمہ جس کے ذہن ان سب کا کھانا اور پیغام رسی تھا اسے بلانے آئی تھی۔

"میں آرہی ہوں پانچ منٹ میں۔" وہ کبل پیچنگ کر جلدی سے واش روم میں گھس گئی۔ تویہ سے منہ پونچھتی وہ ڈرنک روم کھیل تک آئی، جگت میں بل ہار سادہ سے کان کے موٹ کی شلیں اپنے ہاتھوں سے درست کیں، اس کے پیچھے ہوئے گٹ اٹھا کر نیچے ڈرائنگ روم میں آگئی۔

صوفے پر بیٹھا سیف اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"تھینک یو۔" اس نے مسکرا کر پھول اور گلاب اس کے ہاتھ سے لے لیا وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے اب بچے اس کے سادہ سے روپ کو خوش اور ناراضی کی ملی جلی کیفیت سے دیکھتا رہا۔

"بھونٹنا تم کھڑے کیوں ہو۔"

وہ خاموشی سے بیٹھ گیا۔

"تمہیں دکھ ہو رہا ہے نا سیف۔ کہ میں نے تمہارا بیجا ہوا سوٹ نہیں پہنا۔" وہ کچھ بھی بولے بغیر لپکتے خاموشی سے اسے ٹکھارہا۔

"میں یہ سوٹ پہنوں گی مگر جاہز حشیت ہیں۔ ابھی تم لے جاؤ۔ جب اہل کو لے کر آنا تب یہ سوٹ

اس کے ہاتھ معنی کی انگوٹھی کے ساتھ بھینٹا۔ "اس نے کہتے ہوئے نظریں چرائیں۔

سیف کے نیچے ہوئے لبوں پر سبے ساختہ غراہٹ پھل گئی۔

"کتنی خوب صورت بات کہی ہے تم نے۔" وہ مل کر بنا "مگر سچ پوچھو تو یہ گٹ نہ لیتا، تمہاری اس سوچ ہے۔ بالکل ہی دقیانوسی خیالات، جو اس دور میں نہیں چلتے۔"

"نہیں سیف۔ یہ بومس خیالات نہیں۔ تم غور کر کے دیکھو تو کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ہمارے بس میں ہیں بومس۔"

"مثلاً؟" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"مثلاً، محبت۔"

"اچھا اور؟"

"اور کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ہمارے بس میں آتی ہیں۔ تم سمجھو کہ یہ گٹ نہ لیتا ان ہی باتوں میں ہے۔"

"جو کیا میری خوشی مقدم نہیں ہے تمہارے لیے؟"

"تمہاری خوشی مقدم ہے تب ہی میں تم سے ملنے آتی ہوں ورنہ میں اتنی جلدی ملنے کی بھی قائل نہیں رہے تب تک ہمارے درمیان کوئی سماجی رشتہ نہ قائم ہو پائے۔"

"محبت سماجی رشتہ نہیں ہے؟"

"نہیں یہ تو فکری و روحانی رشتہ ہے جو بعض دفعہ لگاؤ، شوق کے تصادم میں آجاتا ہے۔" وہ چند لمحوں کے سکوت کے بعد گویا ہوئی۔

"محبت میرے لیے ملوثی چیز نہیں کہ اس کے لیے میں کوئی مالی یا مادی فائدہ و عوائد کی۔ ہم میں لگاؤ عورتوں میں کچھ تو فرق رہے جو جن کا مشغلہ ہی ہو کر کی جیسے خالی کرانا ہے۔ ایسی عورتیں محبت پر مذاقی قابض ہوتی ہیں۔" وہ افسردگی سے کہنے لگی۔

"مگر محبت کن پر قابض ہوتی ہے؟"

"میرے جیسی عورتوں پر محبت قابض ہوتی ہے۔"

میرے جیسی عورتوں پر محبت قابض ہوتی ہے۔

جن کے لیے اہمیت ہوتی ہے تو صرف محبت کی۔ کوئی بھی مالی، مادی فائدہ، کوئی اہمیت نہیں رکھتا جن کے لیے۔" وہ ہلکے سے مسکرائی۔

"تمہاری یہ بات بھی پیاری ہے۔ بالکل تمہاری طرح۔"

اس دن وہ کمرے میں آئی تو اس کے دامن میں بہت خوش کن دھڑکے بندھے ہوئے تھے اور بہت خوب صورت لہجے جو اس کے دل میں بیٹھے مسکرا رہے تھے۔

ملازمہ آکر اسے کھانا دے گئی۔ اس نے چند نوالے لے کر ٹرے واپس کر دی ویسے بھی جس دن وہ بہت زیادہ خوش ہوتی اس دن کھانا اسے اچھا نہیں لگتا تھا۔ خوشی میں اس کی دھوک اڑ جاتی تھی۔

"الف دس بج گئے ابھی تک صائمہ نہیں آئی۔" وہ آکر بستر پر لیٹ گئی ریموٹ اٹھا کر مختلف چینل بدلتے ان ہی سوچوں میں اسے خند آگئی۔

نہ جانے کون سا وقت تھا۔ جب دروازہ زور سے بند ہونے پر اس کی آنکھ کھلی۔

"صائمہ! تم آگئیں؟" اس نے کبل منہ سے ہٹائے بغیر پوچھا۔

"ہاں! اسے لگا کہ اس کی آواز کتب رہی ہے۔" سرودی میں آئی ہے شاید اس لیے۔" وہ پھر سو گئی۔

"سیف کی کوئی خبر لیں۔ کل اس کا دوست کیا نام ہے، بھئی ہلکا قرآن اس کا پوچھ رہا تھا کہ بہت دنوں سے بڑھنے نہیں آ رہا۔ وہ ٹھیک تو ہے؟ اب میں کیا کہتی اسے رہیں! کہ گھر سے تو روزانہ اسی ہانے لگتا ہے۔"

رہیں غلام مصطفیٰ نے سگریٹ الٹس ٹرے میں رکڑ کر بجا دیا۔

"کہاں ملا تھا تمہیں؟" انہوں نے ہاتھ سے چائے کا کپ لے کر استفسار کیا۔

"کل سینٹر ملا تھا۔ ایک دو بار پہلے گھر بھی آچکا

سے سیف اور سیل کے ساتھ اسٹیڈی کرنے۔ "وہ بینہ کی پانچویں کڑی کر لیں۔
"ہاں۔ ڈاکٹر عبد القادر نے بھی مجھ سے شکایت کی ہے کہ سیف بہت دنوں سے کلج سے غیر حاضر ہے اور یہ کہ وہ کسی اجنبی کا شکار ہے اور ہمیں اس کی جانچ کرنا چاہیے۔ میرے سامنے تو کھانا نہیں تھا، وہ ہو سکتا ہے کہ کسی بیمار سے ذرا بوجھ کر تو دیکھو۔" وہ چائے کے پیچھے لگے گھونٹ لینے لگا۔

"جیسے تین تو میں نے بھی بہت پوچھا ہے مگر اس نے بتایا نہیں کہتا ہے لہذا سیل والا اللہ میرے دل میں چمک گیا ہے جس میں چند دنوں میں ٹھیک ہو جائوں گا۔" وہ زامرات دیں مجھے پھر میرے ساتھ بیٹھتا ہے۔ باتیں کرتا ہے وہ یہ سب مجھے دھوکا دینے کی خاطر کرتا ہے۔ میں ہل ہل کر اس کی پریشانی مجھ سے کہاں چھپی ہو سکتی ہے۔

"مگر پھر بھی تم کو شش گرتی رہو کیا پتہ کسی کمزور لیوین کل جائے۔" انہوں نے کمری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"پتہ نہیں سیل کہاں چلا گیا ہے۔ چہ بچاوری لڑکی نکل لیا اسے۔ رہیں! دیکھو کہیں اس وجہ سے تو سیف پریشان نہیں کہ میں سیل کا دوست ہونے کی وجہ سے وہ پولیس کی پکڑ میں نہ آجائے۔" ان کا دل ایک بار پھر نہ ٹھنک سکا۔

"نہیں نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ تم خواہ مخواہ کے وہم نہ پاؤ۔" انہوں نے بیوی کو تو مطمئن کر دیا مگر خود کمری سوچ میں ڈوب گئے۔

"سیف! وہ ماں کی پکار پر کمرے میں جاتے جاتے رک گیا۔
"کھانا کھایا یا؟"
"نہیں ماں!"

"اچھا تم چلو اپنے کمرے میں میں لے کر آتی ہوں۔"

وہ سر ہلا کر چلا گیا جس میں کہیں کہاں ڈھونڈوں تم کہاں جا چکی ہو عزیز! میں تیری بار تمہارے علاقہ

سے ناکام لوٹا ہوں۔ بھر بھی کالے پانیوں کا سفر ہے جس میں کم ہوتا جا رہا ہوں۔ ڈوٹا جا رہا ہوں کوئی اس کا شکایتی نہیں جس کے سہارے نکل سکوں ابھر سکوں۔ یہ کیسی مسابقت کی فوری تم نے میرے پاؤں میں باندھی ہے کہ سفر ختم ہونے میں ہی نہیں آ رہا۔ کوئی منزل کا نشان نہیں کوئی مسافرت کا انتظام نہیں۔ صرف گرد و غبار ہے اور بھر ہے جو جسم و جاں سے لپٹا۔ جدائی کا سانچا بنا ہے۔ "وہ آنکھوں میں آنے والی نمی کو پار پار صاف کر رہا تھا۔

"سیف بیٹا! انھو کھانا کھاؤ وہ اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے ملازم نے کہا تھا ان کے ساتھ قتلہ وہ جو توں سمیت بیچے نیم دراز آنکھوں پر پادرو رکھے لیٹا تھا۔

"سیف! انھو بیٹا! وہ پلٹ میں سناہن نکل کر نہیں پر رکتے ہوئے بولیں۔

وہ اٹھ کر دوش روٹھ میں منہ دھوئے چلا گیا۔ وہیں آکر کرسی پر بیٹھا۔

"ماں! آپ نے کھا لیا؟" انہوں نے لوالہ توڑتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں! ہم نے کھا لیا۔ اب تم کھاؤ تو میں جا کر سوؤں۔" وہ اس کے کھانا کھانے تک خاموشی سے بیٹھی رہیں۔ وہ کھانا کھا چکے تھے کے بعد ہاتھ دھو کر وہیں آیا تو انہوں نے بات بھینری۔

"سیف!"
"ہی ماں!"

"بڑے دنوں سے پریشان لگتے ہو بیٹا! میں ہل ہل کر تمہاری سب سمجھتی ہوں۔ مگر تم جی بات نہیں کرتے جانتے نہیں آخر کیا بات ہے جو بھی دل میں ہے وہ بتاؤ۔" وہ اس کی پریشانی جو اتنے افسردہ ہو گئی۔

"ماں! آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے، مائیں تو ہوتی ہی وہی ہیں۔" وہ جیسے ہوئے بولتا ہے۔

وہ چلی گئیں تو وہ سوچنے لگا۔
"بیٹا تو اس طرف جانا ہی پسند نہیں کرتے جی کہ

دینوں کی طرف بھی نہیں۔ وہ کیسے مان سکتے ہیں کہ یہی کی ذات کی ایک لڑکی نے ان کے بیٹے سے سب کچھ چھین لیا ہے۔ وہ کیسے پیری مدد کر سکتے ہیں۔ اگر میں انہیں بتاؤں تو وہ تو ناراض ہو جائیں گے کہ میں ایک لڑکی کے پیچھے پاگل ہو رہا ہوں جس نے اپنا اپنا کچھ نہیں چھوڑا ہے۔ اس ایک بار میں اسے دھوکا دیاں پھر ہر طرح سے بلایا کو راضی کر لوں گا۔" اس نے زعم ہو کر سوچا۔ "مگر تم مجھے ملو تو عزیزو!"

اس نے بے بسی سے خود کھائی کی۔
"ایک بار پھر میڈم حیدرہ کی طرف جا کر دیکھوں۔ باتیں مینے ہوئے ہیں ہو سکتا ہے اب کی بار وہ بتا دے۔"

اور وہ سرے ہی ان وہ میڈم حیدرہ کے آفس میں بیٹھ رہا تھا۔

"آپ مجھے عزیزو کا یاد دہیں۔ میں آپ کو منہ مانگی رقوم دے سکتا ہوں۔"

"مجھ کو سیف صاحب! میں آپ کو پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ ویسے بھی عزیزو کا پتا میرے پاس صرف بدین خلع لکھا ہوا ہے پہلے ہی پڑی خوار ہوئی ہے میری۔ کاروبار ٹھپ ہو گیا۔ اب کوئی آدمی قیمت پر بھی کمرے لینے پر تیار نہیں ہوتا۔ اور سے پولیس کی پوچھ بچھ۔ بڑی مشکلوں سے جان بچھوٹی ہے میری! اگر آپ مجھے زیادہ ٹک کریں گے تو مجبوراً مجھے پولیس کی مدد لینا پڑے گی اور آپ کے لیے یہ شامت ہی کافی ہے کہ سیل آپ کا گروہ مست تھا اور حادثے کے تاخیر آپ ہی اسے لے کر آئے تھے۔" وہ بغیر سانس لے کر بولتی چلی گئی۔

وہ ایک بار پھر بے مراد لوٹا تھا۔

وہ کچھ دیر تھی کہ صائمہ کافی دنوں سے کچھ پریشان لگ رہی ہے مگر وہ اسے کچھ جاننے سے بھی گریزاں تھی۔ اس نے سوچا کہ وہ اس سے پریشانی کا سبب پوچھے مگر کئی بار وہ پوچھتے پوچھتے رک جاتی جب وہ مناسب

کہنے کی تو خود ہی بتا دے گی۔ یہ سوچ کر وہ غامض ہو جاتی تھیں وہ اس کو کچھ زیادہ ہی نوٹ کرنے لگی تھی۔ حالانکہ یہ بات بھی اس کی طبیعت کے خلاف تھی۔ صائمہ بہت کم کلامیں اٹھاتی تھی۔ وہ اس پر بھڑکی۔ "صائمہ! خدا کے لیے ہم یہاں پڑھنے آئے ہیں اور تمہاری اتنی چھٹیاں۔ بہت حرج ہو رہا ہے یہ عقلی کلمہ۔"

وہ اسے کوئی جواب دینے بغیر آنکھیں موندے پڑی رہتی۔

"آخر تم کو ہو کیا آیا ہے؟" بلال انہوں نے ایک دن پوچھ ہی لیا۔ "اب تم سیل سے بھی کم ملنے لگی ہو! کیا کوئی ناراضی ہے؟"

"نہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "اگر کوئی تبدیلی۔" "آج تم مجھے بتاؤ۔" "وہ کھوم کر اس کے سامنے آگئی۔" میں انتظار کرتی رہی کہ شاید تم نہ وہی بتاؤ مگر تم تو آگ لفظ بھی نہیں بولتی ہو۔"

وہ بیڈ پر بیٹھ کر اس کے ہالوں میں انگلیوں سے کھنکھی کرنے لگی۔ اسے صاف لگا کہ وہ اس کے اپنا بہت بھرے انداز پر آنکھوں میں آنی نمی لپٹے اندر اٹارنے کی کوشش کر رہی ہے۔

"صائمہ! اس نے جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ صائمہ نے فوراً آنکھیں بند کر لیں۔

"تم جاؤ عزیزو! ورنہ پورے نکل جائے گا۔" اس وقت تو وہ خاموشی سے چلی گئی تھی مگر شام کو جب سیف اس سے ملنے آیا اور وہ خفا شکار کیفیت میں جانے کو مڑی تو اس نے اسے پکار کر کہا۔ "عزیزو! ملنے میں محتاط رہا کرو اور اتنی جلدی جلدی مت مائیکرو۔ غالباً تمہیں دن پہلے ہی سیف آیا تھا۔"

وہ رنگ کر اس کی طرف مڑی۔ "یہ تم کہہ رہی ہو صائمہ! وہ نہیں کر اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"ہاں! اس نے کھنوں پر رکھی کتاب کو افسردہ سی مسکان کے ساتھ بند کیا۔

"تم تو کہتی ہو احتیاط محبت کو کھا جاتی ہے؟" اس نے حیرت سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

ہاں ہوتی تھی۔" اس نے کمری سانس لی۔ "میں نے سچ کہا ہے کہ مرد وراثت کا رندہ سے عزیز اور عورت کو محل وراثت کر کے تو پھر نکلا نہیں اور جانا ہے اس لیے کچھ دیر ازلے اس پر پیشہ بند رکھنے چاہئیں تاکہ کشش پر قرار رہے یہی جان اس کے اگر سارے ہی بعد محل جائیں تو پھر من اپنی حیثیت کو دینا ہے اور من بے حیثیت ہو جائے تو سکون کم ہو جاتا ہے اسے خلافتے خلافتے ہم اپنا آپ کھو دیتے ہیں۔"

اس نے بھی کھنکی سانس لی وہ چپکے سے انہی تو وہ پھر ہل پڑی۔

"اشیانا اپنی ذات کے کواڑ بند کر لو عزیزہ! اس لیے کہ جو جیسا پچھلی ایسی زمین پر نہیں اترتا جہاں بھیندہ ہو اسرار نہ ہو۔" اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

اس دن وہ سیف سے بھی پوچھ بیٹھی کہ اسمیل نے کیا کیوں کر کہا ہے۔

"پتہ نہیں۔" وہ بھی لا علم تھا۔

"تو آخر بات کیا ہے؟" وہ کتنی ہی دن پریشان رہی۔

صائمہ کا وہی طرز عمل، کبھی موڑ ہو تاکو اس کے ساتھ چلتی ورنہ پڑی رہتی منہ لپیٹے ایک ہی کمرے میں بند۔ اب تو بہت دنوں سے اس کی طبیعت بھی گری گری رہنے لگی تھی وہ میڈیکل کی طالب تھی جو بات اس کی سمجھ میں آ رہی تھی وہ سمجھتا نہیں چاہ رہی تھی نہ ہی ایسی بات سنا چاہتی تھی مگر اب اس کی پریشانیت سے اس کی۔

بہت دنوں بعد اس نے دیکھا کہ وہ اسمیل سے ملنے گئی تھی۔ وہ ان کا انتظار کرنے لگی۔ اس دن خلاف معمول وہ بہت جلد آئی۔ "تو ہی بغیر پیچ کے بستر میں جا مٹی۔ یہ واضح اشارہ تھا کہ کچھ سننے نہ کچھ بولنے کا چاہتے ہوئے بھی وہ اس سے کچھ نہ پوچھ سکی اور خود بھی ہونے کے لیے لیٹ گئی۔

آدھی رات کا وقت ہو گا جب اس کی آنکھ سکیوں کی آواز ہی گئی۔ وہ سانس روکے اس کے روتے کو سنی رہی پھر اٹھ کر اس کے پاس آئی۔

"صائمہ! اس نے اس کی بیٹھائی پر ہاتھ رکھا۔

"عزیزہ! عزیزہ! وہ کہتا ہے کہ وہ مجھ سے شادی نہیں کر سکتا۔" اس نے سن سکتے ہوئے اس کی گود میں سر رکھا۔ "تمہیں کیا پتہ عزیزہ! میں پل پل جیتی اور مر رہی ہوں۔ وہ اب کہتا ہے کہ میں مجبور ہوں وہ اب جب اب وجود مجھے اندر لے رہا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ چلو میں تمہیں کسی لینڈ ڈائنگ کے پاس لے چلاؤں۔"

وہ ننھی ننھی رو گئی۔ اسے لگا اس کے دل کی عزت کن محکم چلی ہے اس کا چہرہ فق ہو چکا تھا اگر صائمہ اس کی یہ حالت دیکھ لیتی تو یقیناً "روا بندہ کر دیتی مگر اندھیرے میں ہی وہ اس کی گود میں سر رکھ کر پوچھتی رہی۔

"کیوں بولا کیا اس نے مجھے۔ وہ خود میںوں میرے پیچھے چلا تھا۔ تب جا کر میرا دل کچھ مائل ہوا تھا اس نے میرے ساتھ بیٹھنے مرنے کی قسمیں کھالی تھیں۔ اب وہ مجھے چھانی پر لٹکا کر خود مری ہو نا چاہتا ہے۔ اسے پتا ہی نہ چلا کہ اب اس کی سسکیں صائمہ کی سسکیوں سے مل گئیں۔

کتنے ہی گھنٹن دن اور راتے راتے راتیں گزر گئیں۔ جب وہ ایک دو سرے سے آنکھیں نہ آلی رہیں۔ تب ایک دن اس نے پوچھ ہی لیا۔

"اب تم کیا کرو گی صائمہ؟"

وہ کچھ دیر خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی "تم سیف کو کو شاید وہ اسے راضی کر لے تمہیں چاہے عزیزہ! اب میں اپنے والدین کے پاس نہیں جا سکتی۔ اس لیے کہ اب میں ان کے لیے باعث شرم بن چکی ہوں۔ وہ مجھے اس حالت میں قبول بھی نہیں کریں گے۔ وہ صرف مجھ سے نکاح کر لے پھر چاہے تو چھوڑ دے مجھے۔ تم سیف سے کہو وہ اس سے بات کر کے دیکھے۔"

اس نے بڑی وقت سے سیف کو یہ بات بتائی۔

"عزیزہ! وہ نہیں مانے گا۔ کتنا ہے میرے خاندان میں غیر خاندان سے عورت نہیں آئی۔ وہ وہ بچوں کا اب

ہے اگر وہ صائمہ سے شادی کر لے گا تو اسے چاہیو کرے۔

صائمہ نے غصہ سے اسے دیکھا۔ "آخر صرف نکاح کر کے میں کیا حرق ہے؟"

"نہیں عزیزہ! میری برادری کا مسئلہ ہے مجھے ملے پہلے میں اپنی برادری کے سردار کی لڑکی سے شادی کر چکا ہوں اگر میرے خاندان والوں کو میرے نکاح کی ہر گز بھی پڑ گئی تو وہ مجھے برادری سے خارج کر دے گا۔ کروں گے۔ وہ لوگ میرے پیچھے نہ جائیں گے۔" یہ بات تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی کہ تم شادی شدہ ہو۔ کیوں پڑے تھے تم میرے پیچھے؟" چلائی۔

"مجھے تم سے محبت ہو گئی تھی صائمہ!"

"نہیں۔ تم نے مجھے صرف دکھا دیا ہے۔" وہ روتے لگی۔

"میں تم سے اب بھی محبت کرتا ہوں۔ تم چلو میں تمہیں اسپتال لے چلوں۔"

"جسوت مست بولو تم مست ہو اس کو محبت کا نام۔" وہ اس پر جھنجھکی۔

"چھوڑو میرا اگر جان! اسمیل نے اسے دھکا دیا۔ وہ اسمیل کو پھر اس پر جھنجھکی "میں تمہیں چھوڑوں گی۔ یہ کیسے سمجھ لیا تم نے ابھی صرف عورت کی محبت دیکھی ہے انتقام کب دیکھا ہے تم نے۔ یہ اس نے اپنے بیٹے کی طرف انگلی سے اشارہ کیا یہ تمہارے خلاف سب سے بڑی شہادت ہے کہ تم نے جبر کیا ہے میں تمہیں پھانسی کے پتھر پر لٹکواؤں گی۔" اس پر جنون سوار ہو چکا تھا۔

عزیزہ منہ پر ہاتھ رکھے بے توازی روتے ہوئے دیوار کے ساتھ جا گئی تھی۔ وہ آنکھیں پھاڑے صائمہ کا وحشت زار روپ دیکھتی اور بے تحاشہ روتی جاتی۔

"کیا کیا کر رہے ہو تم لوگ؟ اسے بال تو نہیں ہو گئے۔" سیف ان کے درمیان بیچ بچو کر ان کی ناگام کو شش کرنے لگا۔ ان کی جینوں پر میڈیم جیہ کمرے میں چلی آئی تھی۔

اسیل بار بار خود کو پھڑپھڑاتا اور اس کو دھکا دے کر "خیر سارا میں اٹھاؤں گا۔ اس کی تم لوگ فکر نہ

ہے اگر وہ صائمہ سے شادی کر لے گا تو اسے چاہیو کرے۔

صائمہ نے غصہ سے اسے دیکھا۔ "آخر صرف نکاح کر کے میں کیا حرق ہے؟"

"نہیں عزیزہ! میری برادری کا مسئلہ ہے مجھے ملے پہلے میں اپنی برادری کے سردار کی لڑکی سے شادی کر چکا ہوں اگر میرے خاندان والوں کو میرے نکاح کی ہر گز بھی پڑ گئی تو وہ مجھے برادری سے خارج کر دے گا۔ کروں گے۔ وہ لوگ میرے پیچھے نہ جائیں گے۔" یہ بات تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی کہ تم شادی شدہ ہو۔ کیوں پڑے تھے تم میرے پیچھے؟" چلائی۔

"مجھے تم سے محبت ہو گئی تھی صائمہ!"

"نہیں۔ تم نے مجھے صرف دکھا دیا ہے۔" وہ روتے لگی۔

"میں تم سے اب بھی محبت کرتا ہوں۔ تم چلو میں تمہیں اسپتال لے چلوں۔"

"جسوت مست بولو تم مست ہو اس کو محبت کا نام۔" وہ اس پر جھنجھکی۔

"چھوڑو میرا اگر جان! اسمیل نے اسے دھکا دیا۔ وہ اسمیل کو پھر اس پر جھنجھکی "میں تمہیں چھوڑوں گی۔ یہ کیسے سمجھ لیا تم نے ابھی صرف عورت کی محبت دیکھی ہے انتقام کب دیکھا ہے تم نے۔ یہ اس نے اپنے بیٹے کی طرف انگلی سے اشارہ کیا یہ تمہارے خلاف سب سے بڑی شہادت ہے کہ تم نے جبر کیا ہے میں تمہیں پھانسی کے پتھر پر لٹکواؤں گی۔" اس پر جنون سوار ہو چکا تھا۔

عزیزہ منہ پر ہاتھ رکھے بے توازی روتے ہوئے دیوار کے ساتھ جا گئی تھی۔ وہ آنکھیں پھاڑے صائمہ کا وحشت زار روپ دیکھتی اور بے تحاشہ روتی جاتی۔

"کیا کیا کر رہے ہو تم لوگ؟ اسے بال تو نہیں ہو گئے۔" سیف ان کے درمیان بیچ بچو کر ان کی ناگام کو شش کرنے لگا۔ ان کی جینوں پر میڈیم جیہ کمرے میں چلی آئی تھی۔

اسیل بار بار خود کو پھڑپھڑاتا اور اس کو دھکا دے کر "خیر سارا میں اٹھاؤں گا۔ اس کی تم لوگ فکر نہ

جانی کی کہ مثل کرتا، لڑکھا کر منجانی اور وہ لڑکھاس
 کو کچلے گا۔
 ”مجھے زہر کا زکرا اب کہاں جانتے ہو۔“ عزیزہ
 دونوں کو جیت سے اپنے بی سے دیکھ رہی تھی۔ جواب
 چڑانے پکڑنے کی کوشش میں ایک دوسرے کو مار
 رہے تھے۔
 سبیل بھاگ کر باہر گاڑی تک آیا۔ سامنے منجانی
 اندر میں اس کے پیچھے بھاگی۔
 ”میں مجھے چھوڑ کر نہیں جاسکتے۔“ وہ گاڑی کے
 سامنے آئی۔ عزیزہ اس کے پیچھے بھاگی باہر سبیل کی
 دھکیلی جیت و انتہا سے صورت حال کو دیکھنے کی
 کوشش کر رہی تھی۔ ایک دوسرے اس سے پوچھنے کی
 بھی کوشش کی تھی مگر وہ تیزی سے باہر نکلی۔ گاڑی
 آگے بڑھی تھی اور اس کے پیتوں کے پیچھے پکلا ہوا
 وہ خون میں لٹ پٹ پڑا تھوڑا سا تھلہ اس سے پہلے
 سیف پٹا تھا۔ اس کی ٹانگ اور منہ سے خون بہہ رہا
 تھا۔ سیف نے پکڑاؤ کی مدد سے اٹھا کر اسے اپنی
 گاڑی کی کچلی جیت پر ڈالا۔ عزیزہ سیٹ پر اسے دونوں
 ہاتھوں سے سنبھالے بیٹھ رہی تھی۔

”سیف! جلدی کرو۔“
 سامنے کی سائیس اکھڑتی جا رہی تھی۔ پٹی پٹی
 آنکلیں ایک سی جگہ جم رہی تھیں اور اس سے
 عزیزہ عارف نے اپنا سارا اعتبار اعتماد ان آنکھوں میں
 ہی نہیں کھو دیا۔
 ”رک جاؤ سیف!“ وہ چلا کر رونے لگی۔ ”اب
 کسی اسپتال جانے کا کوئی قاعدہ نہیں۔“ آہستہ آہستہ
 گاڑی واپس آگیا سبیل کے دروازے پر رکی سمیت اس
 کی جان لے بیٹھی۔ کھائی اس کے ہنسنے مسکراتے وجود
 کو۔

لان کے چچ اس کا بے جان و دور کھاتا۔ لڑکیاں
 بڑھال عزیزہ سے حالات جاننے کی کوشش میں لگی
 تھیں۔ کچھ اس کا دکھ بٹا رہی تھیں۔ تو کچھ بڑھال رہی
 تھیں۔ ”انہیوں کے ساتھ ایسا ہی ہو تا ہے“ وہ اور زور
 زور سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ کچھ ہی دیر میں

پولیس لاش اٹھوا کر چلی گئی۔
 ”یہ خود کشی کا کیس ہے“ کوئی خود کشی تھی۔ کلائی
 کے سامنے۔ ”کارروائی دیں مکمل ہو چکی تھی۔
 اس کی حالت بہت سی خراب تھی۔ وہ ساری رات
 اپنے کمرے میں ترقی رہی خود کو کوستی رہی۔ کہیں
 سبیل کو بلوایا۔ وہ اس کے پیچھے بیٹھتی۔ اس کی ڈائریاں
 کو اٹھاتی جن میں لکھا ہوا تھا۔ سبیل کی سمیت میں
 آگے جا ہوا تھا۔ روتے روتے کون کا کلا چنر کیا تھا
 ساری رات آنکھوں میں کٹی تھی۔ ایک منٹ کا عالم
 طاری تھا۔

راج اس نے اپنے گاؤں کے قریبی شہر اپنے کسی
 رشتے دار کو فون کر کے کہا کہ بلا لیا جانی آ کر اسے
 جانیں ”فون کر کے وہ بیٹھی ہی تھی کہ سامنے کے کھیل
 آگے اس سے حالات جاننے کے خواہاں۔ ان کے
 چہرے غصے سے تھے ہوئے۔ آنکھیں اٹل اور سر دھکے
 ہوئے تھے۔ وہ ان کو دیکھ کر بے ساختہ رونے لگی۔
 سامنے اکثر رو کر کہتی تھی۔

”عزیزہ! تمہیں کیا پتا کہ میں اپنے بھائیوں کا
 مان تو ڈھیا۔“

اور پھر اس نے کچھ نہیں بھیا۔ ”ہو جاتی تھی۔“
 انہیں بتا دیا۔ اسے سبیل سے کوئی ہمدردی نہیں تھی
 نفرت کا شدید احساس تھا اور کچھ نہیں اس نے چند
 خطوط اور ایک ڈائری کے علاوہ سب کچھ ان کے
 حوالے کر دیا۔ ”یہ ڈائریاں آپ کو ساری کہانی بتا دیں
 گی۔“

”پولیس کامنہ تو پیسوں سے بند کر کے تحقیق سے
 روک دیا پتا نہیں اب میڈم عیدہ ان سے کیسے لے
 گی۔“

اس نے سوچا ”ان کے جانے کے بعد اس نے
 بیکنگ کی اور سیف کا انتظار کرنے لگی۔ اسے سمجھ تھا
 رات تک اسے بھائی لینے آہلے گلاب پہلے ایک
 پل بھی رہنا اس کے لیے محال ہو رہا تھا۔

اور جب سیف مصطفیٰ اس سے ملے کیا تو وہ رونا
 کھول کر اس کے سامنے آ بیٹھی۔ اس کا خوف اس کے

چہرے سے ٹپک رہا تھا۔
 اسے سخت دھچکا لگا ”عزیزہ عارف اس سے خوف
 نہ رکھتا۔ کیا وہ مجھے بھی دنیا کے ان مردوں کے ساتھ
 لڑا کرے گی جو مردوں کو نہیں چھوڑیں کو شکار کرتے
 ہیں۔ اس کا شک نہیں میں بدل گیا جب اس نے کہا۔
 ”میں بھی مردوں کے معاشرے کے ایک مرد ہوں۔
 تمہارے اور میرے دوائے الگ ہو چکے ہیں۔“
 وہ کچھ کر رہی تھی۔ ”میں سیف کی محبت سے
 رکنے لے۔ اسے نہیں تھا کہ وہ اسے سستی تو شاید ہار
 جاتی تھی۔ اس نے اس کی کوئی بات نہیں سنی اور رات
 بولے سے پہلے وہ سبیل چھوڑ کر گاؤں کی طرف روانہ
 ہو چکی تھی۔



ایک سال گزر گیا۔ سیف کی توجہ دن بدن بڑھتی
 سے آتی چلی گئی۔ وہ سارا سارا دن کہیں عاتب ہو جاتا
 تھا اس کی غیر موجودگی میں کئی بار وہیں غلام مصطفیٰ
 اس کے کمرے کی کھائی سے لے جاتے تھے۔ مگر کوئی بھی
 انہیں نہیں نہیں لی گئی۔ جس سے وہ کسی نیچے پر
 بیٹھ جاتے ہوئے سیف کے کمرے میں آتے۔
 ”آج اس سے سب کچھ انکو اٹول گا۔“ بیار غصہ
 سب آنکھوں کا اس پر شاید کچھ بتا دے۔

”مگر میں نہیں تھا ڈائری روم سے پائی کرنے کی
 تیار تھی تھی۔ اس کے پیچھے پر والٹ پڑا تھا۔ انہوں
 نے نہیں ہی بے ارادہ اٹھا کر کھولا تو اس جستی ہوئی لڑکی
 کی تصویر پر نظر پڑی جو جیت سے دیکھنے لگی۔
 ”یہ تو وہی ہے! بالکل ہوں اپنی ماں کا عکس۔“
 ایک غریب اسے پہچان گئے تھے۔



عجب بات تھی۔ وہ اچانک اسے اچھی لگنے لگی
 کچھ ملائم وہ بچپن سے ان کے گھر میں رہتی تھی
 مگر ان کی زیادہ بچی بھی نہیں تھی اس کے ساتھ
 کرک انجیل کی ویلیر وہ اسے اچھی لگنے لگی تو اس
 نے کچھ سے وہ بات مل کو بتادی۔ مگر وہ اس کی طرف

ماٹل نہیں تھی اس کی لائی ہوئی چو لیاں سب بچنے
 لگی ہوئی تھیں۔ تو اس کو پتا چلا اس کو کچھ تو ہوا تھا
 پھر اچانک اس پر انگڑیاں ہو آ کر وہ اور اوار عارف
 ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ پہلے پہل تو اسے غصہ
 آیا مگر پھر اس نے خود کو سمجھا لیا۔

ایک دن سب سے کافی سے کیا تو سنا کہ اس کی محنت
 عارف سے ملے کر چکا ہے وہ بچپن سے کیا لیکن اب اسے
 کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں تھی۔ ”میں نے کچھ ان کی
 آپس کی بات چال رہم ہو دانی کے مطابق ہند تھی مگر
 اب اس کا بھائی بھی اس سے بات نہیں کرتا تھا۔
 دونوں بھائیوں کے بیچ عجب کدوا سا کیا تھا۔

میں اس کے اٹھان کے دنوں میں عارف جیسے
 لے کر شکار پر چلا گیا۔ اسے بے تھک تھا۔ ”آپ وہ
 کھوٹے سے رہتے کر پٹوے انٹیشن کیا اور پھر سب شہر
 پہنچ کر کالج تک آیا تو پھر شہر کا ہر کھانا اس کے
 کلاس پیچھے کو شش کے یاد ہوا اسے اٹھان میں بیٹھنے
 نہیں دیا کیا تھا۔ کچھ وہ اٹھان ختم ہونے تک شہر میں ہی
 رہا۔ البتہ اسلامیات کے آسان پرستے میں اس کی
 سہیلی لگ چکی تھی۔

پچھ ہی عرصے بعد اس نے باپ سے کہہ دیا کہ وہ
 نوکری کرنا چاہتا ہے۔

”یہ نہیں کوئی سنبھالے گا؟“ اس کا باپ نے
 حیرت سے کہا۔

”مجھ سے نہیں ہوتی یہ وہ ڈاڈو ڈی۔ اوار عارف کچھ
 لے گا زمینوں کو۔“

”رہیں! لڑکا نوکری کرنا چاہتا ہے تو کرنے دے“
 چار دن کا شوق ہے ”مغفوری کرنا پڑے گی تو خود ہی
 چھوڑ کر بھاگ آئے گا۔“

اس کی ماں کے کہنے پر اس کے باپ نے اپنے کسی
 دوست سے کہہ کر اسے بیکنگ میں ملازمت دلوا دی۔
 وہ اس جاب کے سلسلے میں گاؤں سے باہر رہنے لگا تھا
 جب اس کی شادی کی تیاریاں ہونے لگیں تو اسے
 گاؤں بلوایا گیا۔

”ساری عمر لوگوں کو دینے میں گزری ہے۔ اب

لینے کی باری آئی ہے۔ اس کا بیابان نوش ہو رہا تھا۔
 سوئی کی راتیں گزری ہیں تو زیادہ ہی بے بسی ہو جاتی
 ہیں۔ اس نے ہرچیز اٹھا کر کھڑی ہیں یا کھڑے کھڑے رات
 کے گیارہ بج رہے تھے۔ باہر چاندنی مٹی آس پاس نے
 بارش نہیں لگے۔ وہ باہر دوسری طرف جاتے جاتے کہ
 مریہ کسی کے ہاتھ میں کہنے کی آواز آ رہی تھی وہ وہ
 ہیں تو ان کی سوت بھلا۔
 "تم مجھے زہر لادو" میں گھبرا کر مریہوں پر اس سے
 شادی نہیں کروں گی۔ میرا دل اسے قبول نہیں کرتا۔
 "میں عانت! زہر کھا میں گے تو دونوں کھا میں
 گے پر میرے پاس ایک اور راستہ بھی ہے۔ ہم دونوں
 پہلے سے گل چلیں۔ میرے پاس اتنا پیسہ ہے کہ
 ہمیں کہیں بھی چل کر رہنے میں تکلیف نہیں
 ہوگی۔"
 "مر عارف! اگر ہم چکے گئے تو نہ اوہر کے وہیں
 گے نہ اوہر کے اس سے میرے تم زہر ہی لادو۔"
 "وہیں نہیں عانت! ہم جیب میں جا میں گے"
 ہمیں پتا تو ہے کہ پورے گاؤں میں ایک ہمارے پاس
 ساری ہے۔ یہ لوگ جب تک گھوڑوں پر سوار نہیں
 گے وہاں سے کوئی گاڑی لے لیں گے تب ہم ان کی
 پیچھے سے دوڑ چلے جا میں گے میرے چند دوست ہیں
 جو ہمیں مدد دے سکتے ہیں۔ تو پریشان نہ ہو۔ ہم ایک
 دو سرے کے کہانی ہی کہیں سکتے۔"
 آگے سننے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔ وہ آکر
 چارپائی پر لیٹ گیا۔ یہ کیا ہونے جا رہا تھا۔ ان کے
 دونوں پہلے خاندان کے لیے باعث ذلت ہوتے۔
 ساری رات اسے خیر نہیں آئی۔
 دو سرے دن اس نے خیر جانے کے بہانے عارف
 سے جیب کی چابی لے لی تھی۔ شام کو جب وہ آیا تو
 عارف نے اس سے چابی مانگی۔
 "کیوں تم اس وقت کہیں جا رہے ہو؟" اس نے
 ریشم سے پوچھا۔
 "میں نے سوچے مجھے کھانا لینے جانا ہے۔ تم وہ
 سے آتے ہو اس لیے ابھی ہے۔"

"مجھے قریبی گاؤں میں کچھ کھانا ہے میں رات کو
 وہاں جاؤں گا۔ وہاں سے آؤں گا۔ تم صبح جب جاؤ تو مجھے
 اٹھا کر چابی لے لینا۔"
 وہ سنا بھانکر جیب لے آیا۔ گاؤں کے باہر اس نے
 جیب کھڑی کر دی اور خود اس سسٹے کا کل سوچنے لگا۔
 "اگر میں لیا کو بتا دوں تو بھی ایسے صرف بھانکے
 سے روک سکتا ہوں۔ خود کھانی ہے تو نہیں۔ کسی ذلت
 ہوگی جب وہ لاشیں اسٹریٹس میں کی۔ لاکھ بھائی یا
 کسی پر اس کی موت تو مجھے قبل نہیں اور عانت! وہ
 کیوں سب کچھ مرے اور یہی ذلت ہوگی جب وہاں
 نکلنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔" وہ سڑکتے پر
 منگرتے چلے نکلا۔
 بالآخر وہ ایک نتیجے پر پہنچ کر تو بھی رات کو گھر لوٹ
 آیا۔ عارف جاگ رہا تھا۔
 "میں نے سوچا کہ صبح تمہاری خیر خراب کر دوں گا
 اس لیے تم سے چاہیاں لینے کے لیے جا رہا ہوں۔" عارف
 ہنسی خستہ ہوئے بولا۔
 اس نے چابی جیب سے نکال کر اس کو تھمائی۔
 "اگر اب وہو را ہیں تم نے سوچا ہیں کہ میں پر بھی ذلت
 ہے اور جو راستہ میں نے نکالا ہے اس پر بھی ذلت
 ہے۔ جب تینوں راستوں پر ذلت کھڑی ہو تو عقل
 مندی کا تقاضا ہے کہ اس راستے پر چلا جائے جس پر
 ذلت کم سے کم ہو۔ جب اس گاؤں میں کل کا سورج
 ابھرے تو اس کی کرنیں تمہارے اوپر اس گاؤں میں ہی
 پڑنی چاہئیں۔"
 عارف خوف زدہ ہو کر اسے دیکھا رہا کوئی جواب نہ
 دے سکا۔
 وہ ساری رات اپنے بستر پر بیٹھا۔ گھر سے جاتا رہا تھا۔
 کمرے کے دو سرے گونے پر رکھی چارپائی پر عارف
 سونے کی ناکام اور ناکامی کر رہا تھا۔ اس کے کمرے سے
 باہر کمرے میں اس کے باپ کی چارپائی پر بھی
 تھیں۔ ان کے کمرے کے ساتھ جو کمرہ تھا اس میں
 بھید اور عانت سوری تھیں۔
 وہ بار بار رچ بھلا کر اور کھڑی ہو کر۔ بلی جیسی فٹ

ابھی اس کے گھوس کو نہیں لی تھی۔
 مرغوانے آٹا میں دینی شروع کر دی تھیں۔ وہ کچھ
 دیر لود جاتا رہا۔ اس کے باپ کی کھانے کی آواز آ رہی
 تھی۔ "تجربہ کے لیے اچھے چکا تھا۔ اسے پتا تھا کہ اب
 اس کے لیے اور اچھے کر کر مہیانی سے لیا کو وضو کروائے
 کی۔ وہ اب سو سکتا تھا۔ سو بے سوجہ پر دیکر سو گیا۔
 دو سرے دن اس کے شادی سے انکار پر ٹیک کھرام
 چڑھا تھا۔
 "اس کو حیا شرم نہیں۔ جب تاریخ طے ہو گئی ہے
 جب کہتا ہے کہ میں اس سے شادی نہیں کروں گا۔
 جب تکلیف ہوگی کسی تب انکار کرتا۔ میری عیسیٰ بیٹی
 میں اس کے لیے پاندہ دیتا ہی کیوں۔ اب لوگ کھو کھو
 کریں گے۔ مجھ پر۔ میری بکری یاؤں میں ڈالنے کی بات
 کرنا ہے۔ تم سن لو غلام مصطفیٰ! تمہاری شادی ہوگی تو
 لائی عانت سے ہوگی۔" اس کا بیابان کر جا۔
 باپ کی اسی خندہ طبیعت کی وجہ سے تو اس نے
 حقیقت نہیں بتائی تھی۔ وہ ہر صورت اس کی شادی
 مانٹ سے گوائے گا۔ اس نے سوچتے ہوئے باپ کو
 دیکھا۔
 "میں شرمی لڑکی سے شادی کروں گا۔ آپ عانت
 کی شادی اور عارف سے کریں۔" اس نے سر اٹھا کر
 کہا۔
 "اس زیادہ فیصلہ نہ کر میں نے کہہ دیا کہ تمہاری
 شادی طے ہے اور ہو کر رہے گی۔"
 "میں بھی آپ کا بیٹا ہوں اب! جب طے کر چکا ہوں
 کہ میں عانت سے شادی نہیں کروں گا تو پھر کسی قیمت
 پر آپ کا فیصلہ نہیں مانوں گا۔"
 "سن اب اپنے بیٹے کی بات میرا فیصلہ نہیں تھا یہ تو
 نے ہی بتایا تھا کہ یہ کہتا ہے عانت سے شادی کرے
 گا۔"
 "مجھے کیا پتہ رہیں! اس نے خود ہی تو مجھ سے کہا
 تھا۔" وہ ہر گے آگے کانٹ رہی تھی۔
 "وہ چند سال پہلے کی بات تھی۔"
 "کیا! کیا تھا ہے نامراد! چند سال پہلے کی بات

تھی۔ یہ بول نہ شادی یاد کو نہ بول نہ سب۔" وہ جب اللہ
 "میں نے شادی کی صورت میں گروا گا۔"
 "میں نہیں کھرتے تھیں کل کا غلام مصطفیٰ!"
 "مجھے یہ فیصلہ نہ تھا۔" اس نے کھنسی کھنسی
 کہا۔
 "جی نہا کل رہا میں نے۔"
 "کب ہوئے لی ہوئے چھریں کہیں جہان
 لو ہے بھی انسان! بچے نکلن! لہن نہا رہا۔"
 (ایک دن دو سری زمین چھوڑتے نہیں جہان
 ہمارو لوگ! وہ بھی انسان جو تک و ناموس پر ہمار
 ہو جاتے ہیں۔)
 اس کے باپ نے دکھ سے منہ دی۔
 اس کا بی بی چاہا کہ وہ سب کچھ اسی وقت باپ کو بتا
 دے کہ وہ عزت برقی تو سب کچھ قربان کرنے جا رہا ہے
 مگر عارف کی التجائیہ نگاہیں اسے کچھ بھی بتانے سے
 روک رہی تھیں۔ اسے یقین تھا کہ جب وہ گاؤں
 چھوڑ دے گا تو عانت کی شادی عارف سے ہی ہوگی
 اور ایسا ہی ہوا۔
 اور اب اتنے سالوں بعد وہ کیسے جا کر اس پہلی کے
 آگے دست سولہ دراز کرتا۔
 "تم اس لڑکی کے لیے پریشان نہ ہو۔" سیف باہر
 نکلا تو اس نے پوچھا سیف نے نظریں جھکا لیں۔ "میں
 اسے جانتا ہوں۔"
 اس نے سر اٹھا کر حیرت سے باپ کو دیکھا۔
 "یہ رہیں عارف کی بیٹی ہے نا؟" اس نے تصویر
 والا ہاتھ ہلا کر کہا۔
 "جی بیٹا! آپ کو پتا ہے اس کے گاؤں کا؟" ان کی
 آنکھوں میں دہائی آگیا۔
 اس نے بیٹے کو دیکھا اس کی آنکھوں کی نمی کو
 دیکھا اس کا دل شفقت سے بھر گیا۔
 "ہاں! یہ بیٹے چاہا کی بیٹی ہے۔"
 "وہ کچھ ایک سال ہونے کو لگا پر یہ سنبھلی نہیں۔"

و واقعہ اس کے ذہن و دل پر چھایا گیا کہ کئی ذائقوں کو دکھانا پڑا تھا۔ لڑکی پر اس کو اتفاق نہیں ہوا۔ نہیں آتی جاتی بھی نہیں۔ پر صحتی ریح میں چھوڑ دی۔ بات کریں تو جواب دیتی ہے ورنہ خود سے بات بھی نہیں کرے گی۔ دیکھو یہ ہے کتنی تھیں میری بیٹی! اس پر لگ گئی ہے اسے۔

ابو کہہ رہا تھا: جہاں لڑکی ہے، ہمد حر کی۔ لڑکی کی آنکھ چڑھ گئی ہوگی۔ کوئی دعوہ کرواؤ۔ "اسی لڑکی! وہاں بھی بیٹی کروا میں۔ پر یہ تو سارا دن اپنے کمرے میں ہی بیٹی رہتی ہے۔ ہاں کتابیں دیتی ہے بھائی کو، ہم لکھ کر دے گی کہ یہ لے آؤ۔ اس کتاب لکھا ہے اسے اپنے دل پر چھوڑ دو۔ وقت گزرنے کے بعد عدت کی کیفیت سے نکل آ۔

اسے سخت غصہ آ رہا تھا۔ لہاں ہر آنے والے کے آگے ہی دلخیزا لے بیٹھتی تھیں کہ اس کی بیٹی زندگی کے ہنگاموں میں حصہ نہیں لیتی اور وہ کیا بتاتی ہاں کو کہ جن کی زندگی ہی محبت ہو اور وہ چمن جائے تو پھر زندگی

کی ہے سو ہے۔ کتنی باتیں گزر گئیں۔ جو اس کا ہجر اور دھم آگھوں میں گئیں۔ کتنے ہی فراق کے سورج ابھرے اور جدائی کو مستقل کر گئے۔ وہ اک اک سانس کا حساب کرتی رہی جب اس کی یاد نہ آتی ہو۔ اک لکھ اک مل اک ساعت بھی ایسی نہیں گزری۔ جب اس کے خیال نے ساتھ چھوڑا ہو۔ وہ تو بیٹھ دل کی دھڑکن کے ساتھ دھڑکتا ہے۔ کتنا چاہتا تھا اس نے کہ وہ اس کی یاد سے دامن پھڑالے اس کے خیال کو روند ڈالے پر وہ تو زندگی کی رمت بن کر اس کے دل کو دھڑکا رہا۔

اور عین عارف کی آنکھیں خشک ہونے کو ترس گئیں۔ اس کی فینٹریں اس سے دور تھیں رہیں اس سے پھرنے

پر ہر سکون میسر نہ ہو سکا۔ وہ بے مراء لکھوں میں بیٹھی رہی۔ محبت کے لکھوں میں بیٹھ والوں کا ایک ہی المیہ ہو جاتا ہے کہ زندگی کے ترانوں میں ان کے دکھ مکمل خوشی و شادی کے پلڑے بیٹھ پڑا رہتے ہیں۔ محبت انہیں روحانی خوشی دیتی ہے تو قلبی درد بھی خوش نصیبی اور بد نصیبی ان کے پلو میں ساتھ ساتھ بندھی ہوئی ہے۔

سب اس سے پوچھ پوچھ کر تھک گئے۔ اس کی زبان بالکل بند ہو گئی رہی۔ وہ کیا بتاتی آگے کے اندھے فیصلے نے اس کے اعتبار کو کھینچ کر رکھا اور اس نے خوف زدہ ہو کر تلکات میں اس سے پھرتے پھرتے گھر لایا۔ مگر وہ تو اپنی الٹ سے ہی پھرتی رہی۔ اپنے آپ سے بھی روٹھ گئی۔ اس کی شانہ مگر وہ لوٹ کر نہیں آ۔ اور اس کی دھڑکن تو ہر آنے والے کے قدموں کی چھاپ سے بڑھ رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ جھولنے لگی۔

وہ اگر اپنی محبت میں واقعی سچا ہوتا تو ضرور لوٹ کر آتا۔ مگر یہ صرف مصطفیٰ اہم بھی لکھتا ہاں ہائی میں نے تمہیں چھوڑا تھا تو عورت کے انہی خوف سے ڈر کر اس خوف سے جو اس کے پیدا ہوتے ہی لوری کی صورت اسے سنایا جاتا ہے۔ دعاؤں کی صورت اسے بتایا جاتا ہے۔ اس کی آبرو کی حفاظت کی دعاؤں کے لیوں پر بھی وقت بھرتی رہتی ہے اور وہ دعا اس کے اندر یوں گڑ جاتی ہے کہ اسے خود سے بھی خوف زدہ کر دیتی ہے۔

اس کے باپ نے بہتر جانا کہ وہ پر صحتی نہ چھوڑے۔ فیروز اسے روزانہ پانچ روپی لے جائے گا۔ مگر وہ کسی قیمت پر پر صحتی جاری رکھنے پر تیار نہ ہوگی۔ وہ کہے اس کے ساتھ بڑھ سکتی تھی۔ اس کا اعتبار کر رہی کر رہی ہو گیا تھا۔ سب کو پتا تھا کہ سمیل شادی شدہ ہے وہ صائمہ سے طرٹ کر رہا ہے۔ تو وہ کم الا کم لگے تو چارنا پھر تو شاید صائمہ اس کی محبت میں اتنا آگے نہ بڑھتی۔ مگر اس نے جان بوجھ کر یہ بات چھپائی۔ وہ اس نے ایک مرد کو صورت کا شکار کرنے کی اجازت

دی۔ تو اس لیے اس پر اعتبار کر لیں اس نے ہوتے اٹھو کو خود اپنے پاؤں سے روندنا ہے۔ وہ جب بھی سوچتی پھرت پھرت کر رہتی تھی اس کا تکیہ بیٹھ اس کے آنسوؤں کی لڑکی سے لگتا ہو گا۔

مگر وہ دل سے ڈھکائیوں نہیں۔ لاکھ اسے جھٹاؤں۔ جیسے اس پر شکوک نہ کروں۔ وہ میرے لہو میں دوڑتا ہے۔ بات بن کر۔ اس بار خاندان کی شادی میں جب پچھو ٹاپر کی بیٹی نے اس سے کہا "چلو لاؤں" تو کہنے چلیں "تو اس نے اس مسکراہٹ سے کہا۔

"مجھے اپنا بڑا چھوڑنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ مجھے ہے خاندان کے لڑکے بھی اس رسم پر جمع ہوتے ہیں۔ لڑکی پسند آئے تو صحت رشتہ بیچ دیتے ہیں۔" وہ اس کی باتوں پر تیار نہیں ہو کر چلی گئی تھی۔

"اُمی! ہائی عارف! کسی نے تیری بیٹی پر تعویذ تو نہیں کرے۔" لکھو ٹاپر کی انگلی منہ نے نیا شوش چھوڑا تھا۔

وہ خیالات کی دنیا سے واپس آئی۔ "مخن میں ہلکی ہلکی جھپ سکتے ہوئے برآمد سے میں دیکھا جہاں تخت پر بیٹھی اور رشتہ دار عورتیں اہل کوئی نئی بیٹیاں پر مصارفی تھیں۔

"محبت سے بھی بڑا کوئی تعویذ ہے بھلا۔" وہ دکھ سے مسکرائی۔ "ہاں اُمی! کسی نے نکلا جاو تو نہیں کروا۔ اللہ مارے ان موئے بھیلوں اور بھوپوں کو۔" کلمہ کروا ہے انہوں نے۔ "دوسری عورت نے ہاں میں ہاں ملائی۔ "محبت کا اتنا بھیاں تک روپ دیکھا میں نے کہ جس کے آگے نکلا جاو بھی کچھ نہیں۔" وہ تکی سے سوچنے لگی۔

"اُمی! اُمی! اس طرف تو میرا خیال ہی نہیں گیا۔ بھلا میری تو کسی کے ساتھ دشمنی نہیں ہے۔" وہ ایک دم پڑھان ہو گئی۔

"اُمی! لوی دشمنی کا کیا کہتی ہو! یہاں تو لوگ خواہ مخواہ ملے (بہتر خوشحال) کو سچے نہیں دیکھنا پسند نہیں

کر سکتے ہو کہ کوئی نہیں۔" "کب لہاں ان کی باتوں میں آئے ہیں مجھے کہیں کہیں کھینچتی پھرتی تھی۔" یہ سوچ کر ہی اسے کوفت ہو رہی تھی۔ یہ مامیہ بھی کبھی مطلق نہیں ہوتی تھی۔

انہیں گاؤں میں آئے تھیں سال ہو چکے تھے۔ جب وہ آخری بار ماں کی وفات پر آئے تھے۔ خان محمد حلیہ راستوں سے واقف تھا۔ وہ ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ وہ اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھتے تھے۔ کچھ سیٹ پر مریم اور عارف امید و نیم کی کیفیت میں گھبرائے بیٹھے تھے۔ سائل کے نوٹے رابطے بحال ہوں گے یا نہیں؟ شکوک کتنی مارے لڑکے درمیان بیٹھے تھے۔ نکلیں اور مکالمہ بدل چکے تھے۔ گاؤں کی دعا پڑھتے اور اسکول بھی ان کو نظر آیا تھا۔

وہ گیسٹ سے اندر داخل ہوئے، رنجش عارف نے حیرت سے غلام مصطفیٰ کو آتے دیکھا۔ "تم۔ تم غلام مصطفیٰ! وہ آگے بڑھے مگر وہ بھی بڑھ کر ان کے گلے لگ گئے۔

"بھلا۔ بھلی کرے آئیں۔" وہ آہستہ ہو گئے۔ چھوٹے بھائی کے لیے دل میں سوئی ہوئی محبت جاگ اٹھی انہیں گلے لگائے ان کی پشت پر ہاتھ بھیر رہے تھے۔

دونوں بھائی اب عمر کے اس دور میں ماضی کی سب تکلیاں بھلا چکے تھے۔ "اُمی! یہ بیٹا ہے میرا۔ بیٹا۔" رئیس عارف نے خوش دلی سے ہنسنے ہوئے اسے گلے لگایا۔

"تیرا بیٹا ہے تو میرا بھی بیٹا ہے۔" "ہاں! یہ بالکل ٹھیک بات کی آپ نے۔" وہ ہنسے۔ "آجاؤ۔ بھا جاتی۔ آجاؤ اندر آکر بیٹھو۔ ہم خوشی میں باہری کھڑے باہر کر رہے ہیں۔" "اُمی! آجاؤ۔ آجاؤ۔" وہ ایک دم گرم نہیں لگتی۔

